Masnavi bo’Ali Shah Qalandar--Ehad-e-Salatein

ki Zinda Tasveer

Maqsood Hasni

مثنوی بو علی شاہ قلندر

عہدِ سلاطین کی زندہ تصویر

مقصود حسنی☆

شاعری جہاں انسانی طبائع کو لطف اور حظ فراہم کرتی ہے وہاں اپنے عہد کی سیاسی معاشرتی اور ادبی اقدار کی عکاسی بھی کرتی ہے۔ مورّخ بعض واقعات کو کسی قسم کی تلخی سے بچنے کے لئے گول کر جاتا ہے یا پھر انہیں کوئی دوسرا رنگ دے دیتا ہے یا انعام اور خوف کی وجہ سے بعض نہایت حساس اور اہم واقعات کو مسخ بھی کر دیتا ہے۔ اس لئے مورّخ کے کہے پر آنکھیں بند کر کے یقین نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی کیا جانا چاہئیے بلکہ اس کے پیش کئے گئے مواد کو تحقیق کی کسوٹی پر ہر حال میں پرکھا جانا چاہئے۔ مورّخ کے برعکس ادیب یا شاعر اپنے عہد کا سچا عکاّس ہوتا ہے۔ شاعر کبھی دانستہ اور کبھی نادانستہ طور پر اپنے عہد کے حالات بیان کر دیتا ہے حالات کی تلخی سے بچنے کے لئے اس کے پاس شعری ہتھیار موجود ہوتے ہیں۔ اگرچہ شاعر کی اپنی ترجیحات بھی ہوتی ہیں۔ اسی طرح وہ مفادات سے بالاتر بھی نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود حساس طبع کے باعث سچی اور کھری کھری باتیں بھی اس کے قلم سے نکل جاتی ہیں۔ مورّخ کے پاس شاعر کے سے ہتھیار موجود نہیں ہوتے۔ جبکہ شاعر تلخ حقائق کو فن، حسن نفاست، ہشمیت اور رومانیت کی مخملی چادر میں لپیٹ کر پیش کر دیتا ہے۔ گویا اس کا عہد "مصری چڑھی" تلخی کو خوشی قبول کر لیتا ہے۔ شاعر کی ذات بھی ممکنہ پریشانی سے بچ جاتی ہے۔

برِّ صغیر پاک و ہند کے بیشتر صوفیائے کرام شاعر بھی رہے ہیں۔ کچھ نے اپنی شاعری میں سچائی کا برملا اظہار کیا۔ جس کے ردّ عمل میں وہ مختلف حلقوں میں نشانہ تضحیک بھی بنے۔ جن صوفیائے

☆-شیر ربانی ٹاون ، کالج روڈ ، قصور

کرام نے بر ملا اظہار حقیقت سے اجتناب برتا' انہوں نے نہ صرف شعری ہتھیار' استعمال کئے بلکہ "خانقاہی معرفت" سے بھی استفادہ کیا۔ انہوں نے خانقاہی معرفت کا سہارا لے کر بطور مصلح ناخوشگوار سیاسی' معاشی' سماجی اور معاشرتی حالات کی عکاسی کی اور ایسے حالات سے بے زاری کا بھی اظہار کیا۔

حضرت شرف الدین بو علی شاہ قلندرؒ کا شمار بر صغیر پاک و ہند کے عظیم صوفیا میں ہوتا ہے۔ ان کے عہد کے علماء کرام اور مشائخ عظام ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ انہوں نے بطور عالم' معلم اور مفتی فرائض سر انجام دیئے۔ حضرت قلندرؒ نے اپنی مثنوی (۱) میں اپنے عہد کے سیاسی' سماجی اور خانقاہی حالات کی بڑے خوبصورت انداز میں عکاسی کی ہے۔ اس مثنوی میں انہوں نے نہ صرف شعری ہتھیاروں سے کام لیا ہے بلکہ "خانقاہی معرفت" کو بھی وسیلہء اظہار بنایا ہے۔ اس سے نہ صرف ابلاغ کو جامعیت میسر آئی بلکہ شعری حسن میں نکھار اور احساسات میں جوش اور گرمی کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔

مثنوی کے مطالعہ کے دوران یوں محسوس ہوتا ہے جیسے حضرت قلندرؒ اپنے سامنے بیٹھے ہوئے کسی شخص کو تصوف و عشق کے رموز سمجھا رہے ہوں۔ اس سمجھانے کے حوالہ سے وہ زندگی کے مختلف گوشوں کی اپنے عہد کے حوالہ سے عکاسی کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت قلندرؒ نے کسی خوف سے یہ اسلوب اور طرز اظہار اپنایا ہو گا۔ ہاں البتہ اس مخصوص اسلوب اور طرز اظہار سے انہوں نے اپنے اشعار میں بغیر کسی قسم کی تلخی پیدا کئے اپنے عہد کی تصویر کشی کر دی ہے اور ان کے کہے کا زندگی سے بڑا قریب کا تعلق پیدا ہو گیا ہے۔

حضرت قلندرؒ کا ہر لفظ اس عہد کے علماء کرام مشائخ عظام اور سلاطین کے لئے شفاف آئینے کا درجہ رکھتا ہے۔ وہ برا بھلا بھی کہتے ہیں، ملامت بھی کرتے ہیں۔ ان کی ملامت اور سرزنش چونکہ شعری نزاکتوں اور خانقاہی معرفت کی چادر میں ملفوف ہے اس لئے ناگوار نہیں گزرتی بلکہ اپنا مخصوص اثر چھوڑتی چلی جاتی ہے۔

حضرت قلندرؒ نے اپنے عہد کے سیاسی حالات کو نہایت نفاست اور سلیقہ سے پیش کیا ہے۔ اس مثنوی کے مطالعہ سے ان کے عہد کے سلاطین کے سیاسی روّیے کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔ کہتے ہیں:

۱۔ جامعہ پنجاب (لاہور) کے کتب خانہ میں مثنوی "بلبل و طوطی" کے نام سے موجود ہے۔

برسرت باشد تراگر تاج زر　　کس نباید از تکبر در نظر
بلکه روتابی چو نمرود از خدا　　گم کنی خود را نترسی از جزا

ان دونوں اشعار میں انہوں نے نفسیاتی کیفیت کی عکاسی کی ہے :

اب یہ شعر ملاحظہ فرمائیں اس میں بادشاہوں کی ہمت اور ان کے اقتدار سے محروم ہونے والوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اسی طرح کلمہء حق کہنے والوں کی بے ہمتی کو کچو کہ دیا گیا ہے۔یہ شعر اس عہد کے شاہ و گدا کے لئے آئینے کا درجہ رکھتا ہے :

ہمتے رفتست از شاہ و گدا　　منعمان گشتند گدائے بے نوا

حضرت قلندرؒ صاحب نے اس مثنوی میں بطور حوالہ بسلسلہ حق و باطل حضرت حسینؓ اور یزید کی تلمیح بھی استعمال کی ہے۔اسی طرح فرعون اور نمرود ایسی تلمیحات کے استعمال سے اپنے عہد کے سیاسی حالات کو زیادہ بہتر طور پر واضح کرنے کی سعی فرمائی ہے۔

اب ان سیاسی حالات اور سیاسی رویّوں کے زیر اثر پروان چڑھنے والی معاشرت اور سماج کی عکاسی بھی ملاحظہ فرمائیں :

از جہان مہر و وفا معدوم شد　　حال مردم یک بیک معلوم شد
آشنایی ہا بر افتاد از جہان　　شرم شستہ شدہ ز چشم مردمان
ای دریغا وضع نیکان شد بدل　　در دیار علم افتادہ خلل
قحط افتادست در ملک سخا　　خشک گشتہ مزرع مہر و وفا
تیغ ممسک شجرہء احسان برید　　ہمچو عنقا ہمت از عالم پرید
برکت از کشت و زراعت گشت کم　　قامت جود و سخاوت گشت کم
رحم از دلہای مردم شد نہان　　سختی بی پیدا شدہ بر مردمان
خلق نیکو شد ز عالم ناپدید　　طبع مردم سگ سفت گشتہ پلید
مہر گم شد از دل فرزند و زن　　فتنہ برپا گشت از دیر کہن
چون چنان برخاست عالم گشت تنگ　　دختران با مادران دارند جنگ

رنگ و نسل کے حوالہ سے جو صورتحال پیدا ہو گئی تھی اس کو حضرت قلندرؒ دور فرمانا چاہتے تھے۔اس بیماری کے اظہار کے وقت ان کے لفظوں میں اچھی خاصی تلخی پیدا ہو جاتی ہے :

چند مغروری تو بر اصل و نسب   از تکبر دور باش ای ملی ادب

اس مثنوی کے حوالہ سے حضرت قلندرؒ کے عہد میں انسانوں کا باہمی تعلق کسی محبت کے حوالہ سے استوار ہوتا نظر نہیں آتا۔ بلکہ لوگ مادّی حوالوں کو اولیت کا درجہ دیتے تھے۔ اور ان حوالوں سے ان کی وفاداریاں (قطعی) مخصوص تھیں۔ غربت اور مفلسی کے ساتھ ہی محبت اور وفاداریاں بدل جاتی تھیں۔ دوستیاں نام کی دوستیاں تھیں نیکی اپنی "اصل وضع" ہی کھو بیٹھی تھی۔ گویا لالچ اور خوف نے نیکی کو مکاری کا لباس پہنا دیا تھا۔ لوگوں میں برداشت کا مادّہ ختم ہو گیا تھا۔ اسی طرح عمومی بول چال میں کرختگی اور کڑواہٹ پیدا ہو گئی تھی۔ جب دولت جمع کرنے کا جنون پیدا ہو جائے تو سخاوت کا تصور ہی مٹ جاتا ہے۔ اسی طرح جب احسان کرنے والوں کی حوصلہ افزائی نہ ہو تو محبت' سخاوت' رحم اور خیر و برکت دم توڑ دیتے ہیں۔ حضرت قلندرؒ نے ان حالات کو قیامت کی نشانیاں قرار دیا ہے:

این نشان ہای قیامت شد پدید   تا قیامت در جہان گردد پدید

اگر حضرت قلندرؒ خانقاہی احترام کے حوالہ سے بات نہ کرتے تو ان کے عہد کا سماج ان کی تلخ کلامی برداشت نہ کر پاتا۔

حضرت قلندرؒ حالات کی عکاسی کرنے کے ساتھ ساتھ مایوسی کو پرسا بھی دیتے ہیں اور ان حالات سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ اور لائحہ عمل بھی پیش کرتے ہیں۔ وہ خدا کی جانب رجوع کرنے کا مشورہ دیتے ہیں:

بند بگسل دام تن برہم بزن   آشیانِ حرص را آتش فگن
جز خدا کس نیست باتو مہربان   دل مدہ غیر از خداوند جہان
شکر نعمت کن کہ آن رب العباد   داد بر تو آنچہ می بایست داد

حضرت قلندرؒ کی مثنوی پڑھنے والا یہی سمجھتا ہے کہ وہ اپنے ہم مسلک کسی شخص سے گفتگو فرما رہے ہیں۔ اس گفتگو کے دوران ہی اس کا اصلی چہرہ اسے دکھا رہے ہیں اور اسے صراط مستقیم اختیار کرنے کی تلقین فرما رہے ہیں۔ گویا مخاطب کو تسکین بھی مل جاتی ہے تو دوسری طرف زمانہ بھی خوش ہو جاتا ہے کہ تنقید اس پر نہیں ہوئی۔ حضرت قلندرؒ کا کہا لاشعوری طور پر قاری پر مثبت اثرات مرتب کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف برجستہ اور روزمرہ کی زبان اور شعری نزاکتیں باذوق طبائع کو لطف اور مسرت فراہم کرتی ہیں۔

اس مثنوی میں حضرت قلندرؒ صاحب نے اپنے عہد کے اہل ثروت اور بااثر حضرات کی طرز معاشرت اور عمومی رویوں کی بھی عکاسی کی ہے۔ ان کے منفی رویوں میں تبدیلی لانے کے لئے شان قلندری بھی دکھائی ہے۔ وہ ان کے ان رویوں پر نہ صرف کڑی تنقید فرماتے ہیں بلکہ اس کے انجام سے بھی آگاہ فرماتے ہیں۔ وہ زبان کی چاشنی اور حسن و نزاکت میں تلخی پیدا نہیں ہونے دیتے:

آتشی از دور چون گلشن بود　　در حقیقت سربسر گلخن بود
نخوت آرد مر ترا مال و منال　　گر نداری از تہیدستی منال
نیست رحمی در دل اہل دول　　شیوۂ اہل دول باشد دغل
اہل دنیا بہر سیم و مال و زر　　گر بدست آید خورند خون جگر

دولت کی بہتات اور اس کی ہوس کا نتیجہ یوں بیان فرماتے ہیں:

دولت آرد کبر را بی دین کند　　نفس کافر کفر را تلقین کند
کور گردد روشنی چشم یقین　　بستہ گردد بعد ازان درہای دین

حضرت قلندر صاحب نے اس مثنوی میں اس عہد کے جعلی مشائخ کا حلیہ 'روّیہ' طرز عمل اور ان کے دعوؤں کی بڑے خوبصورت انداز میں قلعی کھولی ہے۔ انہوں نے ان کے طرز عمل کی وضاحت کے لئے "ضدین" کا بکثرت استعمال کیا ہے۔ ضدین کے حوالہ سے موازنے کی سی صورت و کیفیت پیدا ہو کر منفی طرز عمل سے نفرت و کراہت پیدا کر دیتی ہے۔ انہوں نے زہد و تقویٰ کی تعریف بھی بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں:

زُہد و تقویٰ چیست ای مرد فقیر　　طمع بودن ز سلطان و امیر
بہر آب و نان گدا روی دربدر　　آبروی خود نریزی بہر زر
ترک سازی صحبت اہل دول　　گوشہ گیری تا نیفتی در خلل
تلخ بہ جلاب شیرین را مچش　　پیش دونان بہر نان خواری مکش
بر سر خوان قناعت دست زن　　تا نباشد دست بر فرمان شکن

نام نہاد صوفی کا حلیہ ملاحظہ ہو:

زہد و تقویٰ نیست این کز بہر خلق　　صوفی باشی و پوشی کہنہ دلق
شانہ و مسواک و تسبیح و ریا　　جُبّہ و دستار و قلب بی صفا

پیش و پس گردد مرید ناخلف　　　چون خرِ ابلہ پے آب وعلف

اور اس کے طرز علم کی یوں عکاسی کرتے ہیں :

دام اندازی برای مرد وزن　　　خویش را گویی منم شیخ زمن
وعظ گوئی خود نیاری در عمل　　　چشم پوشی ہمچو شیطان دغل
مکرو تلبیس و ریا کارت بود　　　ہر نفس شیطان تو یارت بود
چون شوی استادہ از بہر نماز　　　دل بود گاو و خرت ای حیلہ ساز
خادمان گویند این شیخ زمان　　　چشم پوشیدست از خلق و جہان
شیخ می گوئی و تسبیحی بدست　　　صد بُتی داری نہان ای بت پرست

وہ اس نام نہاد صوفی کے من میں بھری غلاظت کو یوں بیان کرتے ہیں :

خود بدہ انصاف ای اہل دغل　　　دل پرست از مکرو مصحف در بغل
باتو ہمراز است شیطان دمبدم　　　کی شوی در راہ حق ثابت قدم
گہ نکردی سجدہ از روی نیاز　　　تاشود درہای رحمت بر توباز
تا بداند خلق مرد اولیاست　　　متقی پرہیزگار و پارساست

حضرت قلندر صاحب کی تلقین کا انداز بھی ملاحظہ ہو :

شیخ والا ہوت باشد منزلش　　　شد فنا ذات بقا شد حاصلش
ازلقایش خویشتن را گم مکن　　　عیب خودبین عیب بر مردم مکن
ای گرفتار آمدہِ در بند نفس　　　نفس کافر را بکش بشکن قفس
بت شکن برہم بزن بتخانہ را　　　چون خلیلؑ اللہ بنا کن خانہ را
بہر طاعت لقمہ بی باید حلال　　　تا نیفزاید ترا رنج و ملال
لقمہ بی شبہہ چوافتد در شکم　　　قوت او می کند سر رشتہ کم
گر تو مردی نفس کافررا بکش　　　در نداری دسترس بنشین خمش
گر خوری یک لقمہ ازوجہ حلال　　　نور تابد بردل از مہر کمال
دل شود روشن زنور آئینہ وار　　　پرتو اندازد درآئینہ نگار
چون گشائی چشم ای اہل یقین　　　ہر طرف تابان جمال یار بین

نفی گردان از دل خود ماسوا　　تانگنجد در دلت غیر از خدا
چون الف در لام می گرد نہان　　خویش را گم ساز تاگردد عیان
نفس کافر تابود ہمراہ تو　　آتش دوزخ بود جانکاہ تو
ہر کہ رو از کید نفس خویش بست　　عاقبت بر کرسی مقصد نشست

حضرت قلندر صاحب نے ایک مرد عارف کی مثال دی ہے جسے اپنی ریاضت پر بڑا ناز تھا۔ اس پر اس کے اور خدا کے مابین پردہ حائل ہو جاتا ہے۔ اسے اس پر ندامت ہوتی ہے اور وہ اپنے بڑے بول اور گھمنڈ کا احساس کر کے شرمندہ ہوتا ہے اور توبہ کے لئے خدا کی طرف رجوع کرتا ہے :

بازبستہ عہد تازہ از خدا　　تاکند در راہ حق جان را فدا

اس رجوع اور سچی توبہ پر فرماتے ہیں :

از لسان الغیب این گردد نوید　　از در تو کس نگشتہ نا امید
ہر کہ بر درگاہ تو رو آورد　　بی امید از در گہ تو چون رود
ہر کہ آید بر درت امیدوار　　شاہد مقصود یابد در کنار

***